ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال

س۔ آپ علامہ کے افکار کے حوالے سے ان کی شخصیت کے کس پہلو کو زیادہ نمایاں طور پر محسوس کرتے ہیں ؟

ج۔ اس میں کلام نہیں کہ علامہ کے افکار کی وسعت، ان کی بلندی اور گہرائی بے پایاں ہے اور ان افکار پر اظہار خیال کرنے کے لئے تو بہت سا وقت چاہئے، تاہم میں سمجھتا ہوں کہ علامہ کی فکر کے ان گنت پہلوؤں میں سے پانچ پہلو سب سے نمایاں ہیں، ان کی فکر کا اولین پہلو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں سے متعلق ہے، جسے ایک لحاظ سے ان کی فکر کی ابتدا کہا جا سکتا ہے۔ علامہ اس خطہ کے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنا چاہتے تھے، انہیں یہ احساس تھا کہ برصغیر میں مسلمانوں کی تعداد خواہ ہندوؤں سے کم ہی کیوں نہ ہو، مگر بعض ایسے خطے ہیں جہاں ان کی تعداد ہندوؤں کی بہ نسبت زیادہ یا بالفاظ دیگر ان کی اکثریت ہے، یہی وجہ ہے کہ سر سید کے بعد علامہ اقبال ہی تھے، جنہوں نے فکری طور پر محسوس کیا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ اس سلسلے میں اگر حضرت علامہ کے اوراق حیات پیش نظر ہوں، تو پتہ چلتا ہے کہ جونہی وہ انگلستان سے لوٹتے ہیں، غالباً جولائی ۱۹۰۸ء میں تو اس کے بعد ان کی جو تحریریں منصہ شہود پر آتی ہیں، ان سب سے مترشح ہوتا ہے کہ اقبال براہ راست مسلمانوں سے اور خالصتاً مسلمانوں سے مخاطب ہوتے ہیں، پھر اسرار خودی اور رموز بیخودی کا دور آتا ہے

اور اس سارے دور کی تکمیل ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ‌آباد پر ہوتی ہے، اس پس منظر میں اقبال کو مصور پاکستان کہنا، ان کی فکر کا ایک پہلو ہے، جس کا تعلق ان کے سیاسی فلسفہ سے ہے، جو قیام پاکستان پر جاکر منتج ہوتا ہے۔

پاکستان کا قیام ہی اقبال کا منتہائے نظر نہ تھا کہ مسلمانان ہند کو ایک علیحدہ خطہ زمین وطن کے طور پر مل جائے بلکہ یہ ایک طرح کی اس اسلامستان کی بنیاد تھی، جو ان کی نگہ میں موجود تھا اور وہ دنیائے اسلام کو متحد دیکھنا چاہتے تھے۔ میری رائے میں یہ ان کی فکر کا دوسرا نمایاں پہلو ہے، جس کا تعلق اتحاد عالم اسلامی سے ہے۔ اس ضمن میں ان کا تخاطب پاک و ہند کی سرحدات سے پار نکل جاتا ہے، غالباً اسی وجہ سے انہوں نے فارسی میں اشعار کہنا شروع کئے، کیونکہ یہ ہمیشہ مسلمانوں کی تمدنی زبان سمجھی جاتی رہی ہے۔

حضرت علامہ کی فکر کا تیسرا نمایاں پہلو دراصل ان قوموں کے نام ایک پیغام ہے، جو مغلوب تھیں یعنی جن پر مغربی اقوام کا تسلط تھا اور آجکل کی اصطلاح میں جس کو تیسری دنیا کہا جاتا ہے، اس کا اظہار ان کی تصنیف ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' سے ہوتا ہے ان مغلوب قوموں کو اقبال نے یہ پیغام دیا کہ اپنے قدموں پر کھڑی ہوں اور مغرب کی اندھا دھند تقلید کرنے کی بجائے اپنی انا (خودی) پر انحصار کریں، اقبال کے نزدیک یہی ایک طریقہ ہے، جس سے وہ صرف سیاسی آزادی ہی نہیں، بلکہ تمدنی اور اقتصادی آزادی سے بھی متمتع ہو سکتی ہیں۔ علامہ اپنے اس پیغام میں کہتے ہیں کہ مغلوب قومیں مغربی استبداد کے شکنجے میں اس لئے جکڑی ہوئی ہیں کہ ان کے کچھ

اپنے نقائص ہیں، اور اس معاملے میں صرف نوآبادیاتی طاقتوں اور استعماری قوتوں کو ہی مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

فکر اقبال کا چوتھا پہلو میری نگاہ میں پھر ایک اعتبار سے پیغام ہی ہے، یہ پیغام متمول اقوام کے نام ہے، اقبال انھیں اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ اے متمول اقوام، اگر تم انسانیت میں تفریق روا رکھو گے اور کالے اور گورے انسانوں میں فرق اور ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک میں تمیز کرتے رہو گے، تو تمہارا نام صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا اس بنا پر اقبال نے ہمیشہ تلقین کی ہے کہ انسان کو انسان کا احترام کرنا چاہئے۔

آدمی صد احترام آدمیت

یہ ان کی فکر کا بہت نمایاں پہلو ہے، اسے ایک لحاظ سے (world view) کہا جائے تو مضائقہ نہ ہوگا کیونکہ اقبال کا جو بین الاقوامی تصور ہے یا جس کی بنا پر ان کی فکر کی بین الاقوامیت کا انحصار ہے، وہ یہی ہے کہ جب تک آدمی آدمی کا احترام کرنا نہیں سیکھے گا اس وقت تک کوئی بہتر دنیا وجود میں نہ آسکے گی۔

اقبال کی فکر کا میری نگاہ میں پانچواں اور آخری نمایاں پہلو ان کا آفاقی نقطۂ نگاہ یا انسان کے متعلق ان کا وہ آفاقی تصور ہے، جس کے تحت وہ انسان کو خدا کے بالکل قریب لا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ جس طرح قرآن حکیم میں ہے کہ خدا ہی انسان کا خالق نہیں بلکہ خدا کے علاوہ بھی اس کے کچھ اور ''خالق'' ہیں، اس روشنی میں اقبال کہتے ہیں کہ اگر ایک انسان اپنی خودی کو مستحکم کر لے تو وہ خدا کا 'هم کار' ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ تخلیق کائنات میں حصہ

لے سکتا ھے۔ گویا تقدیر کائنات میں رنگ بھرنے کو اقبال بنی نوع انسان کا حق یا فرض سمجھتے ھیں اور ایک بہتر کائنات اور ایک بہتر نظام کی تشکیل میں اس سے خدا کا ھمکار بننے کی امید رکھتے ھیں۔

س۔ عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر، آپ ان پانچ پہلوؤں میں سب سے زیادہ کسے اھمیت دیتے ھیں ؟

ج۔ سب سے روشن پہلو جو مجھے بے حد عزیز ھے ،وہ حضرت علامہ کا آفاقی نقطۂ نگاہ ھے، جس میں وہ انسان کو رجائیت کا ایک ایسا سبق دیتے ھیں کہ وہ محسوس کرنے لگتا ھے کہ خدا اس سے ماوراء نہیں، بلکہ اس کی شہ رگ سے بھی قریب ھے اور اگر انسان اپنے آپ میں یہ صلاحیت پیدا کرلے تو وہ قطرے سے گہر بن سکتا ھے۔ میرے نزدیک ان کی فکر کا ماحصل بھی یہی ھے۔

س۔ ڈاکٹر صاحب ! آپ نے فرمایا ھے کہ علامہ اقبال نے عالم اسلام کے اتحاد کو فروغ دینے کے لئے اس وقت کے مسلمانوں کی تمدنی زبان یعنی ''فارسی،، کو ذریعہ اظہار بنایا، کیا یہ بھی حقیقت نہیں کہ انھوں نے عجمی مسلمانوں کو جس میں بر صغیر پاک و ھند کے مسلمان بھی شامل ھیں، اتحاد و یگانگت کا درس اردو شاعری میں دیا، مثلاً

ایک ھوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لےکر تا بخاک کاشغر

ج۔ آپ نے درست فرمایا، میں نے صرف اس زمرے میں ذکر کیا ھے کہ فارسی زبان میں حضرت علامہ نے محض اس خاطر کتابیں لکھیں کہ یہ زبان اسلامی تمدن کی زبان شمار کی جاتی تھی اور اس کے علاوہ ھمارے

ہاں یہ روایت بھی تھی کہ اس وقت اسلام کے تمدنی پہلو پر اگر کچھ لکھا جاتا تو زیادہ تر فارسی میں لکھا جاتا تھا۔ مثلاً مولانا روم گو ترکی الاصل تھے، لیکن ان کا کلام یا جو ان کی مثنوی ہے وہ فارسی زبان میں ہے۔

س۔ اقبال کا پیغام n ut shell میں کیا ہے؟

ج۔ یہ سوال میرے نزدیک بڑا اہم ہے، کیونکہ اس کا تعلق براہ راست اقبال کی شخصیت اور ان کے افکار سے ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ علامہ کی فکر کے پانچ نمایاں پہلو ہیں، مگر یہی پانچ پہلو ان کی فکر کا پرتو نہیں ہیں۔ چونکہ اقبال کے افکار کو بحیثیت مجموعی سمجھنے کا سلسلہ ہمارے ہاں ابھی پوری طرح سے جاری نہیں ہوسکا۔ اس بنا پر بعض لوگوں کو اقبال کی فکر میں تضاد نظرآتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اقبال کی فکر میں ایک صورت ''وہ،، بیان کی گئی ہے اور دوسری صورت ''یہ،، ہے مگر ''وہ اور یہ،، کے چکر میں آنے کی بجائے ہم یہ نہیں سوچتے کہ اقبال کی فکر کا مجموعی تاثر کیا ہے۔ اس مجموعی تاثر کو اقبال کا پیغام کہا جا سکتا ہے۔

اس موقع پر میں ایک مثال سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ ایک ہیرے کو لیں جس کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ یہ مختلف پہلو مختلف اقسام کی روشنی منعکس کرتے ہیں، اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہیرے کے فلاں پہلو سے زرد روشنی نکلتی ہے اور فلاں سے سرخ روشنی، اس وجہ سے یہ تضاد و تفاوت ہے، تو میری نظر میں ایسا کہنا غلط ہوگا، کیونکہ ہمیں تو دیکھنا یہ چاہئے کہ ہیرے کی بحیثیت مجموعی آب و تاب کیا ہے اور اس کی

جگمگ کیسی ہے فکر اقبال کو سمجھنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ شاعر مشرق کے پیغام کو بحیثیت مجموعی سمجھا اور پرکھا جائے، کیونکہ ان کی فکر کے صرف ایک پہلو پر توجہ دینے سے، دوسرے پہلو نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں اور پھر اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اقبال کا پیغام nut shell میں ہمارے اذہان و قلوب سے دور رہتا ہے۔ ہم عقل کے ذریعہ شاعروں کی فکر کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ بھی درست ہے کہ عقل اپنا ایک پارٹ ادا کرتی ہے، لیکن شاعروں کا تعلق بالخصوص عقل کے ساتھ نہیں ہوتا، درحقیقت شاعر کی نگہ ہمیشہ قاری کے دل پر ہوتی ہے اور اقبال تو دل کا پجاری ہے۔

س۔ آپ کا اشارہ شاید اقبال کے ان اشعار کی طرف ہے، جس میں انھوں نے دل کو عقل پر فوقیت دی ہے مثلاً

جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول

یا

عشق تمام مصطفےٰ عقل تمام بو لہب

ج۔ بجا ہے، میں یہ مصرعے دہرانے ہی والا ہی تھا۔ در اصل فکر اقبال بھی عقل کی متقاضی نہیں، بلکہ دل اور عشق کی طلبگار ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اقبال کا پیغام nut shell میں یہی ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کا صدق دل سے احترام کرے۔

س۔ کیا یہ درست ہے کہ اقبال ایک مستقل نظام فکر رکھنے والے معاشرہ کی تشکیل چاہتے تھے؟ آپ کے خیال میں اقبال کے اس مثالی معاشرہ کے خدو خال کیا تھے؟

ج۔ اس کی ایک واضح صورت حضرت علامہ نے "اسرار و رموز" میں پیش

کی ہے۔ یقینی طور پر ان کے سامنے ایک مثالی معاشرہ تھا، جس کو وہ تشکیل کرنا چاہتے تھے۔ اقبال چونکہ اسلام سے بالخصوص متاثر تھے، اس لئے ان کی نگاہ میں فرد یا معاشرے کا جو تصور تھا، وہ اسلام کی رو سے ایک کامل تصور تھا۔ اس ضمن میں اگر میں یہاں سرسری طور پر تصور خودی یا اسرار خودی کا ذکر کروں، تو بیجا نہ ہوگا۔ اقبال کہتے ہیں کہ اطاعت قانون کے جذبہ ہی سے انسان کی خودی مستحکم ہوسکتی ہے اور اس سلسلے میں قانون سے ان کی مراد قانون شریعت ہے اور اس کی اطاعت کے معاملے میں وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ صحیح قسم کے جبر سے صحیح قسم کی آزادی پیدا ہوتی ہے، اگر انسان پہلے اپنے آپ کو کسی طرح سے جامع جبر کے قالب میں ڈھال لے، تب ہی وہ صحیح معنوں میں آزاد ہونے کے قابل ہو سکتا ہے۔

اقبال کی نگاہ میں دوسری منزل ضبط نفس ہے، جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو جاننے کی کوشش کرے، خصوصاً اپنی کمزوریوں کو بخوبی سمجھے تاکہ ان پر حاوی ہو سکے۔ اقبال کے نزدیک ضبط نفس ہی ہے جس سے انسان یا فرد اس تعلق یا فاصلے کو سمجھ سکتا ہے، جو قانون یعنی قانون شریعت اور عمل کے درمیان واقع ہے۔ اس لحاظ سے اطاعت قانون کے بعد ضبط نفس، ایک انسان یا فرد کو اس کی خودی کو مستحکم بنانے کے مقام تک رسائی کے لئے بہت ضروری عنصر ہے۔

تیسری منزل اقبال کی نگہ میں نیابت الہی ہے۔ یہ منزل بقول علامہ اقبال اس وقت انسان کو حاصل ہوتی ہے، جب وہ قانون شریعت سے کماحقہ آگاہ ہو جاتا ہے اور صرف اس پر ایمان ہی نہیں رکھتا، بلکہ

اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ خدا کا ہمکار انسان بن جاتا ہے۔ فرد کی تکمیل ذات ان تین منازل کو عبور کرنے سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد اقبال جب اسرار خودی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی نگاہ میں اس معاشرہ کا تصور ابھرتا ہے، جو کامل انسانوں کے اجتماع سے تشکیل پاتا ہے۔ گویا وہ معاشرہ یا جماعت جو کامل انسانوں کے اجتماع سے بنتی ہے وہ مثالی فرد کی طرح خود ایک unique (مثالی) معاشرہ یا جماعت ہوتی ہے۔ اسی لئے اقبال کہتے ہیں کہ شیطان فرد پر تو حاوی ہو سکتا ہے، مگر وہ جماعت سے ہمیشہ دور بھاگتا ہے۔ اس کے بعد علامہ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم جس طرح فرد کی تکمیل ذات پر زور دیتا ہے، اسی طرح جماعت کی تشکیل پر اصرار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز، حج وغیرہ ایسی عبادات میں بھی فرد کی بنسبت اجتماعیت کا تصور ملتا ہے۔ مقصد میرے کہنے کا یہ ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک جماعت کا جو تصور ہے وہ درحقیقت صحیح اسلامی سوسائٹی کا تصور ہے، جس کو آپ مثالی معاشرہ بھی کہہ سکتے ہیں اور جو افراد کی تکمیل ذات، قانون شریعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی سے تشکیل پا سکتا ہے۔

س۔ اقبال نے جس جہان نو کا خواب دیکھا تھا کیا اس کی تعبیر پوری ہوگئی؟ اگر یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا، تو اس کی وجوہ کیا ہیں؟

ج۔ حضرت علامہ نے جس جہان نو کا خواب دیکھا تھا، افسوس کہ وہ ابھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا اور ہم صحیح رخ کی سمت آگے نہیں بڑھ سکے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے وطن عزیز پاکستان کو ابھی تک محض ایک لیبارٹری (laboratory) بنا رکھا ہے، جہاں ہم مانگے تانگے نظریات کے متعلق آئے روز نت نئے تجربے کرتے

رھتے ھیں، لیکن اقبال نے جس راہ کی نشاندھی کی تھی، اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ اس کا سبب شاید یہ ھے کہ ھمارے ھاں کے سیاستدانوں میں اقبال اور فکر اقبال کو سمجھنے کا فقدان رھا ھے۔ برادرم ! میں آپ ھی سے سوال کرتا ھوں کہ جب سے پاکستان وجود میں آیا ھے، اس وقت کی سیاسی قیادت یعنی قائداعظم کے انتقال کے بعد سے لے کر آج تک آپ کی نگاہ میں کتنے ایسے سیاست‌دان یا ارباب اقتدار ھیں، جو اقبال شناس تھے۔ میرا ذاتی خیال ھے کہ آپ ایک یا دو کے سوا ایسی کسی شخصیت کا نام نہیں گنوا سکیں گے — سو مشکل یہی ھے کہ ھماری سیاسی قیادت اقبال کے نظریات سے ناآشنا رھی ھے اور اقبال کے افکار کو بطیب خاطر یہاں نافذالعمل کرنے کی کوشش ھی نہیں کی گئی۔

س۔ ڈاکٹر صاحب، آپ کے خیال میں اقبال کے نظریات کو کیونکر عملی جامہ پہنچایا جا سکتا ھے؟

ج۔ جی ھاں ! یہی قابل غور مسئلہ ھے — آپ اگر لمحہ بھر کو سوچیں تو محسوس کریں گے کہ پاکستان کے قیام کے سلسلے میں ایک تو سیاسی تحریک تھی، جس کو ''تحریک پاکستان،، کہا جا سکتا ھے۔ مگر ایک اس کے پس منظر میں تمدنی تحریک تھی، جس کا بیج سر سید کے زمانے میں بویا گیا۔ سر سید کی تحریک سیاسی نہیں بلکہ ایک لحاظ سے تعلیمی تحریک تھی، جس میں اسلامی تمدن کا بڑا اھم رول ھے۔ میرے خیال میں سرسید کے زمانے کی اس تعلیمی تحریک کی بنیادیں وسیع النظری پر استوار کی گئی تھیں، جس کو آپ ''لبرل ازم،، (liberalism) کہہ سکتے ھیں، یعنی وہ قدامت پسند طبیعت کے مالک نہ تھے، جس کے لئے آپ

puritanism کی اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں — میری رائے میں اقبال اس تحریک کی آخری کڑی تھے۔ ان کا منتہائے مقصود یہ تھا کہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں لایا جائے جو اسلامی روایات کے ساتھ ساتھ جدیدیت سے بھی منسلک ہو، یعنی جو وقت کے جدید تقاضوں سے کامل طور پر عہدہ برا ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اجتہاد، پر خاطر خواہ زور دیا ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ ہر نئی نسل کو فقہ حدیث اور قرآن حکیم کے اصولوں کو وقت کے تقاضوں اور نئی نئی ضروریات کے مطابق، ان کی تعبیر کا حق حاصل ہے۔ اور پھر وہ 'جاوید نامہ' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کس طرح قرآن حکیم کی ایسی کئی تعبیریں ہیں، جن کا اب تک انتخاب نہیں ہو سکا کیونکہ وہ ایک اعتبار سے آنے والی نسلوں کے لئے مختص ہیں۔ اقبال چونکہ اسلام کو آخری دین اور قرآن کو اللہ تعالی کی آخری کتاب سمجھتے تھے، اس لئے وہ کہتے تھے کہ اس کی جو تعبیریں ہیں وہ اتنی مختلف ہو سکتی ہیں، جس سے ان کا مختلف ادوار پر منطبق ہونا ظاہر ہوتا ہے، لہذا ہر نسل اور ہر دور میں یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے مسائل کا حل وقت کے جدید تقاضوں میں تلاش کریں اور اس سلسلے میں باقاعدہ اجتہاد کیا جائے۔ اس میں ملت اسلامیہ اور بالخصوص اس وطن عزیز کے مسلمانوں کا مفاد ہے۔

س۔ اجتہاد کے بارے میں کیا علامہ اقبال کوئی خاص نقطہ نظر رکھتے تھے

ج۔ حضرت علامہ سمجھتے تھے کہ اسلامی ممالک کی جو مجالس آئین ساز ہیں، یہ ان کا کام ہے کہ وہ اس قسم کے اجتہاد کو روبہ عمل لائیں اور مسائل کو قرآن کے جدید تقاضوں کے مطابق حل کریں۔ جس زمانے میں اجتہاد کے دروازے بند کر دئے گئے، تب کئی ایسے موضوعات

تھے، جنھوں نے انسانیت میں ترقی نہیں کی تھی۔ اب بعض علوم، علوم جدید اور بعض علوم قدیم کہلاتے ھیں۔ کبھی وہ وقت تھا کہ علوم قدیم ھی پڑھائے اور سمجھے جاتے تھے، لیکن آج علم کے میدان میں بھی خاطر خواہ ترقی ھوئی ھے اور اس کے کئی نئے شعبے بن چکے ھیں مثلاً سائنس ، ٹیکنالوجی اور اقتصادیات وغیرہ۔ ایسے علوم جدید کو مدنظر رکھتے ھوئے یہ کام ھمارے فقہاء کا ھے کہ وہ سوچیں کہ اسلام کے دائرہ کار میں رھتے ھوئے موجودہ دور کے مسائل کو وہ کس طرح حل کر سکتے ھیں۔ یہ صورت تب ھی اجاگر ھو سکتی ھے کہ اقبال کے مثالی معاشرے کو قائم کیا جائے اور اجتہاد کے بارے میں حضرت علامہ کے افکار کو پیش نظر رکھا جائے۔ اقبال کے نزدیک تغیر جو ھے وہ قدرت کے نظام میں کائنات کی ایک طرح کی تقدیر ھے، اس لئے ھر انسان کو چاھئے کہ وہ اپنے کو اس کا اھل ثابت کرے کہ وہ اپنے حالات بدل سکتا ھے اور خدا سے نئی تقدیر مانگ سکتا ھے۔ بس اس میں شرط عزم‌صمیم کی ھے کہ وہ اپنے آپ میں اتنی قدرت رکھتا ھو۔

س۔ ڈاکٹر صاحب! آپ نے فرمایا ھے کہ اقبال کے نظام کو ھم صحیح طریقے سے نافذ نہیں کر سکے یا ان کے نظام کو یہاں پنپنے کا موقع نہیں دیا گیا، سیاسی قیادت کی اقبال ناشناسی کے علاوہ بھی اس کی کوئی وجہ ھے؟

ج۔ اقبال کے نظام کو قائم کرنے اور ان کے افکار کو عام کرنے کی ذمہ داری ایک حد تک اقبال کے نام پر قائم ھونے والے اداروں پر بھی عائد ھوتی ھے، مگر افسوس کہ ایسے تمام اداروں کا زیادہ تر کام علامہ کے کلام کے تراجم کرانا رھا ھے یا ان کے نظریات پر کتابیں لکھوانا یا

سال کے سال کوئی تقریب منعقد کرانا۔ ابھی تک تو اس سلسلہ
جو کچھ ہوتا رہا ہے وہ بقول اقبال ان لوگوں کے ہاتھوں سے جو گ
کے تو غازی ہیں لیکن کردار کے نہیں — اور میرا ذاتی خیال یہ
کہ اقبال کے نظریات کا صحیح نفاذ تو اجتہاد کے ذریعہ ہی ہو۔
ہے اور اس اجتہاد میں اقبال کے نام پر بننے والے ادارے اور یونیورسٹ
کے بعض شعبے بھی حصہ لے سکتے ہیں۔

س۔ ادارہ تحقیقات اسلامی میں بھی اس نقطہ نظر سے باقاعدہ کام جاری
اور ایک کتاب ''اقبال اور اجتہاد'' کے موضوع پر زیر طبع ہے۔ ۔
کی تدوین کے دوران یہ سوال ابھرا کہ علامہ اقبال نے ۱۳ نومبر ۱۹۲۳
کو ''الاجتہاد فی اسلام'' کے موضوع پر لاہور میں ایک خطبہ پڑھا ت
اس کے بعد جب حضرت علامہ حیدرآباد اور مدراس تشریف لے گئے،
انہوں نے وہاں جاکر اس خطبے کو پڑھنے کی بجائے نئے سرے
خطبات لکھ کر پڑھے، جب علی گڑھ تشریف لے گئے تو انہوں نے ی
خطبہ وہاں پڑھایا۔ حیدرآباد اور مدراس میں اس خطبہ کو نہ پڑ
کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ ۱۹۲۹ء میں علامہ ا
نے لاہور میں جو لیکچر دیا، کیا یہ وہی خطبہ تھا، جو ۱۳ نومبر ۲
کو ''الاجتہاد فی الاسلام'' کے نام سے پڑھا گیا تھا۔

ج۔ اس کے متعلق مجھے زیادہ علم نہیں ہے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہ
البتہ یہ درست ہے کہ حضرت علامہ نے جو لیکچر دئے وہ econstruction
(of Religious Thought in Islam کی صورت میں شائع ہوئے،
میں سے بعض وہی ہیں، جو مدراس میں دئے گئے اور بعض ایسے ہیں جو مدر
میں نہیں پڑھے گئے، بعد میں لکھ کر شامل کئے گئے۔ مثلاً اس :

The Principle of Movement in the Social Structure of Islam ایک کے نام سے لیکچر ہے۔ ممکن ہے اس سلسلے میں انھوں نے ایک علیحدہ لیکچر لاہور میں دیا ہو، جس طرح کہ آپ نے سوال اٹھایا ہے، مگر میری معلومات اس سلسلے میں بہت محدود ہیں اور میں اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

س۔ ڈاکٹر صاحب، کیا ''الاجتہاد فی الاسلام'' کا اصل مسودہ کسی کے پاس محفوظ ہے؟

ج۔ میرے پاس تو نہیں، میں نے تو اسے اسی شکل میں دیکھا ہے، جس کا ذکر میں نے مذکورہ عنوان میں کر دیا ہے یعنی Reconstruction of Religious Thoughts in Islam

س۔ ''اقبال بحیثیت باپ'' کے موضوع پر کچھ کہنا پسند کریں گے؟

ج۔ میں نے اس سلسلے میں غالباً ۱۹۳۶ میں ایک مضمون(۱) بھی لکھا تھا۔ بعد میں اس مضمون میں تھوڑا بہت اضافہ بھی کیا۔ اس زمانہ میں تو مجھے بچپن کے واقعات اچھی طرح یاد تھے۔ تاہم اس موقع پر اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اقبال ایک شفیق باپ تھے اور مجھ سے ہمیشہ محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ ان کی محبت میں ایک طرح کی سختی بھی تھی۔ شاید آپ کو اس بات کا احساس ہو کہ انھوں نے میرے نام جو نظمیں یا اشعار منسوب کئے، ان کا تعلق میری ذات ہی سے نہیں، بلکہ نژادنو سے ہے، یعنی وہ مجھے ایسا نوجوان دیکھنے کے متمنی تھے، جس طرح مسلمانوں کی نوجوان نسل یا شباب ملت کا تصور ان کے ذہن میں تھا۔

---

(۱) یہ مضمون انٹرویو کی صورت میں ۲۱ اپریل ۱۹۳۶ کو ریڈیو سے نشر ہوا اور بعد میں ترمیم واضافہ کے ساتھ "مئے لالہ فام" میں شامل اشاعت ہوا۔ جو ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کے مقالات کا مجموعہ ہے۔

اسی بنا پر ان کی محبت میں میرے لئے کچھ سختی بھی تھی۔ مثال کے طور پر اگر میں کبھی قمیص شلوار کا کپڑا یا جوتے وغیرہ مہنگے داموں خرید کر لاتا تو وہ بہت خفا ہوتے تھے اور بالفرض انہیں معلوم ہوجاتا کہ آج میں بستر کی بجائے زمین پر سویا ہوں، تو وہ بہت خوش ہوتے۔ گویا ان کے ذہن میں ایک تصور تھا کہ میں کس طرح کا نوجوان بنوں۔ وہ چاہتے تھے کہ میں تقریر کرنا سیکھوں، میں کشتی لڑا کروں مقصود تصور ان کا یہی تھا کہ مسلمان نوجوان کیا ہوں اور ان کی بود و باش کا طریقہ کیا ہو؟ ان کے خیالات کس قسم کے ہوں ؟ مجھے ان کی زندگی میں یورپین لباس پہننے کی ممانعت تھی اور وہ یہ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ میری چھوٹی ہمشیرہ (منیرہ اقبال) اپنے بالوں کو دو حصوں میں گوندھیں اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ یہودیوں کا انداز تھا۔ الغرض اولاد کے متعلق ان کا اس قسم کا زاویہ نگاہ تھا۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، جاوید ان کی نظروں میں ایک کنایہ (symbol) تھا، مسلم نوجوانوں کا، نئی نسل کا — وہ جہاں کہیں بھی مجھ سے مخاطب ہوئے، اس سے ان کی یہی مراد تھی کہ وہ نئی نسل کے نوجوانوں سے خطاب کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ محبت کرنے والے ایسے شفیق باپ تھے، جو کھانے کو تو سونے کا نوالا دیتے تھے، مگر دیکھتے قہر کی نظر سے تھے۔ اس زمانے میں تربیت کا یہ(concept) تھا کہ ان کے ساتھ آزادی اور بے تکلفی کا ماحول بھی نہ تھا مگر اولاد کی جائز ضروریات کو خواہ وہ خوردونوش کے متعلق ہوں یا لباس اور تعلیم کی، کسی صورت میں نظر انداز نہ کیا جائے۔

اس ضمن میں آپ کا استفسار ہے کہ کوئی خاص واقعہ بیان کروں، واقعات تو میرے ذہن میں کئی ہیں، جس سے ان کی شخصیت کا کوئی نہ کوئی پہلو مترشح ہوتا ہے، مگر مجھے ان کی زندگی میں استغنا کا عنصر سب سے نمایاں دکھائی دیا۔ جس وقت حضرت علامہ کا انتقال ہوا، میری عمر ساڑھے تیرہ سال کے لگ بھگ تھی، اس مدت میں ابتدائی پانچ سال نکالدئے جائیں، تو صرف آٹھ یا نو سال رہ جاتے ہیں، جس میں میرا اور ان کا ایک طرح سے تعلق رہا۔ یہ بچپن کا زمانہ تھا، لیکن یہ impressionable age تھی، اس سارے عرصہ میں میں نے ان کو ایک مرد قلندر کے روپ میں دیکھا۔ جس انداز میں وہ زندگی بسر کرتے تھے، وہ سادگی اور پرکاری کی ترجمان تھی۔ انہیں اپنے لباس کی فکر دامنگیر رہتی تھی نہ کوئی کھانے پینے کی، بس استغنا کا ایک عالم تھا، جو ہر وقت ان پر طاری رہتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ زندگی میں صرف ایک بار وہ اس کوٹھی کے اندر کے کمروں میں آئے اور کہنے لگے: اچھا اس طرف بھی کوٹھی کے بہت سارے کمرے ہیں۔ یعنی وہ اپنی زندگی میں اپنے کمرے کے سوا کسی اور کمرے میں نہیں گئے — (اشارہ کرتے ہوئے) اور وہ جو سامنے کے تین کمرے ہیں، یہی ان کے استعمال میں رہتے تھے اور ان کمروں کا کرایہ مبلغ بیس یا تیس روپے باقاعدگی سے مجھے ہر ماہ کی ۲۱ تاریخ کو پیشگی ادا کردیتے تھے۔ ایک لحاظ سے وہ میرے "کرایہ دار" تھے۔ قدرت کا نظام بھی بڑا عجیب ہے کہ وہ ۲۱ تاریخ ہی کو فوت ہوئے اور میرے ذمے ان کی ایک پائی بھی نہ تھی۔

س۔ ڈاکٹر صاحب! کیا آپ کو کبھی خواب میں بھی حضرت علامہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے؟

ج ۔ آپ کا سوال بڑا دلچسپ اور موضوع سے ھٹ کر ھے، تاھم میں عر
کروں گا کہ حضرت علامہ مجھے خواب میں بہت کم ملتے ھیں ۔ لیٔ
عموماً اس وقت ھی نظر آتے ھیں، جب میرے ذھن میں کوئی نہ کو
لاینحل مسئلہ ھو۔ تب وہ پریشانی کو دور کرنے اور رھبری کے ا
مجھے خواب میں ملتے ھیں ــ وقت کی کمی کے پیش نظر میں صر
ایک خواب بیان کروں گا۔

تین سال پہلے کی بات ھے، بہت سی ایسی کتابیں میرے زیر مطا
تھیں جن کا تعلق حضرت علامہ کے سلسلہ اجداد سے تھا اور میرے ذ
میں ایک سوال بار بار ابھر رھا تھا کہ علامہ کے جو اجداد تھے،
برھمن تھے اور عجیب بات یہ ھے کہ ھندوستان کی آزادی کا باع
بھی برھمن ھوئے اور پاکستان کے تصور کا خالق (بھی برھمن زادہ ـ
ان دنوں یہ سوچ بار بار مجھے پریشان کر رھی تھی کہ اقبال کے تص
پاکستان میں کیا کسی قسم کی برھمنیت کا عنصر کار فرما تھا ؟ کیونٔ
ان کا ایک فارسی شعر بھی ھے، جس کا مطلب ھے کہ ھندوستان م
مرزا وغیرہ جو سب سوچنے والے ھیں، وہ ایک دوسرے کے ساتھ چ
گئے ھیں، اور اگر کوئی روم و تبریز کے حالات جانتا ھے، تو وہ یہی برھ
زادہ ھے ۔ بہر کیف اسی سوچ میں غلطاں و پیچاں ایک رات میں سو گ
تو حضرت علامہ مجھے خواب میں دکھائی دئے ۔ تین اور چار بجے کا درمیا
وقت تھا ۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اس مکان کی چھت کی منڈیر
کھڑا ھوں اور میرے سامنے بہت سے کاغذات بکھرے پڑے ھیر
اسی اثنا میں حضرت علامہ سامنے سے آتے ھیں ، انھوں
دھوتی اور بنیان پہن رکھی ھے، جو ان کا شب خوابی کا لباس تھ

کچھ ناراض ناراض سے دکھائی دیتے ہیں اور مجھے دیکھ کر انگریزی(۱)
میں کہتے ہیں : یہ کیا تم ہر وقت لکھتے اور سوچتے رہتے ہو؟

میں نے عرض کیا : اپنی طرف سے میرا ضمیر جو کہتا ہے، سوچتا ہوں کہ آپ کے نظریات کیا تھے، میں انھیں سمجھنے کی سعی کر رہا ہوں، تاکہ انہیں احاطہ تحریر میں لاؤں۔

اس کے بعد خواب کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے کسی درخت پر چڑھا ہوا ہوں، جس کی شاخوں میں بہت سے کاغذات بکھرے ہوئے ہیں اور میرے ساتھ کوئی اور مدد گار ہے اور ہم دونوں ان شاخوں سے کاغذات کو اکٹھا کر رہے ہیں۔ اس عمل کے دوران میں شکایتاً دوسرے شخص کو کہتا ہوں، جس کو میں Identify نہیں کر سکا کہ صاحب میں اپنے والد کے بارے میں اتنا پڑھتا ہوں، لکھتا ہوں، سوچتا ہوں اور اپنی طرف سے پوری کوشش کرتا ہوں کہ ان کے افکار کو سمجھوں، لیکن یہ مجھ سے کچھ نالاں سے ہیں، میرا خیال ہے کہ انہیں میرے کام پر اعتماد و اطمینان نہیں ہے۔

ابھی میری بات مکمل نہیں ہوتی کہ خواب کا تسلسل خواب میں پھر سے قائم ہوجاتا ہے اور مجھے حضرت علامہ دوبارہ دکھائی دیتے ہیں اور پھر انگریزی ہی میں مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں : اچھا جو تم سوچ رہے ہو، اس کے متعلق تمہیں میرا نقطہ نگاہ کل تک معلوم ہوجائے گا۔ یہ سنتے ہی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ معاً میں بیدار

(۱) اقبال جب غصے میں ہوتے تو انگریزی میں اور جب خوشگوار موڈ میں ہوتے تو اردو میں گفتگو فرماتے۔

ہوگیا اور سوچنے لگا کہ عجیب و غریب خواب ہے، اپنے طور پر میں نے اس کی تعبیر کی بہت کوشش کی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ یقینی بات ہے کہ میں سوچ رہا ہوں کہ علامہ کے ہاں ان کی فطرت یا نہاد میں برھمنیت کا کس قدر دخل تھا؟ غالباً حضرت علامہ کو یہ بات پسند نہیں آئی، اس لئے وہ کچھ ناراض ناراض دکھائی دئے ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ خواب میں درخت کی شاخوں پر بکھرے ہوئے جو کاغذات میں نے دیکھے ہیں، وہ بھی فکر انگیز گوشوں کی نشاندھی کرتے ہیں۔ درخت سے مراد تو ہمیشہ شجرہ نسب لیا جاتا ہے اور ان دنوں یہی مسئلہ میرے لئے تحقیق طلب تھا کہ علامہ کے اجداد کیا تھے؟ ان کے ہندوانہ نام یا گوتیں کیا تھیں وغیرہ وغیرہ؟ — لیکن حضرت علامہ کی ناراضی سے قطع نظر میں کل تک ان کے جواب ملنے کے بارے میں بڑا پر امید تھا اور یہی امر میرے لئے خوشی کا باعث تھا۔

دوسرے روز میں کافی دیر تک عدالت کے کاموں میں مصروف رہا اور سارا دن اسی بات کا منتظر رہا کہ کب وہ لمحہ آئے اور مجھے کچھ معلوم ہو۔ شام سے رات ہوگئی اور رات کے بھی گیارہ بج گئے۔ میری بیوی یہ کہہ کر سونے کے لئے چلی گئیں کہ ابھی بارہ نہیں بجے، شاید اس دوران آپ کو کوئی اشارہ مل جائے۔ مگر میری ذہنی کیفیت دگرگوں تھی۔ میں اسی پریشانی کے عالم میں کبھی اس کمرے میں کبھی اس کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ بارہ بجنے میں چند منٹ باقی تھے کہ میرے قدم اتفاقاً میری ذاتی لائبریری کی طرف اٹھ گئے اور میں کتابوں کی اس الماری کے سامنے جاکر کھڑا ہوگیا، جہاں حضرت علامہ کی حیات اور فکر کے موضوعات پر بہت سی کتابیں جمع ہیں۔ اس دوران میں

میری نظر اچانک ایک کتاب پر پڑی۔ یہ فقیر وحید الدین صاحب کی ''روزگار فقیر،، تھی۔ میں نے اس کتاب کو اٹھایا اور پریشانی کے عالم میں اس کو کھولا، تو سب سے پہلے وہی اوراق باصرہ نواز ہوئے، جہاں حضرت علامہ کے سلسلہ اجداد کا ذکر کرنے کے بعد یہ شعر لکھا ہوا تھا ع

ماتھے پہ جو اسلام کا ٹیکہ ہے اقبال
پنڈت مجھے کوئی کہتا ہے تو شرم آتی ہے

اس شعر کو پڑھتے ہی فوراً میرے دل نے کہا کہ حضرت علامہ نے مجھے میرے سوال کا جواب دے دیا ہے۔ اس وقت مجھے یہ احساس ہوگیا کہ میری سوچ غلط ہے اور میں اپنی فکر کو برھمنیت پر مرتکز نہ کروں، بلکہ اس حقیقت کی طرف آؤں، جس کا ذکر حضرت علامہ نے اپنے مذکورہ شعر میں کیا ہے۔

(جاری ہے)